ملتان کا تخلیقی پو دا دہلی میں: راجیندر منچندا بانیؔ

(نئی غزل کا ایک باکمال شاعر)

ڈاکٹر طارق محمود
(ایسوسی ایٹ پروفیسر)
(پرنسپل، گورنمنٹ گریجوایٹ کالج، میاں چنوں)
Dr. Tariq Mamood,
Assosiate rof. Urdu,
Mian Chanoon.

Abstract.
Rajinder Manchanda Bani was a well known trend setter modern poet of Delhi.He wrote three poetry books. He was born in Multan and migrated to India after 1947. In this article, his relation with Multan and some other discoveries have been compiled to enhance the history of literarture.

Key Words. Rajinder Manchanda Bni, Multan, Delhi, Mughni Tabassum, Asad Faiz, Shamsur Rahman Farooqi.

اس میں شک نہیں کہ تخلیقی سطح پر ملتان ایک نہایت زرخیز علاقہ ہے۔ یہ صوفیا کی روایتوں کا امین بھی ہے اور علم و ادب کے سرچشموں کی سرزمین بھی ہے۔ اس کی تہذیبی تاریخ تو ہزاروں سالوں پر محیط ہے مگر ادبی تاریخ کا دورانیہ بھی کم نہیں۔ مجموعی طور پر یہ شہر ادبی اور تاریخی ہر دو حوالوں سے ہر دَور میں اہم حیثیت کا حامل رہا ہے۔ حتیٰ کہ بقول ڈاکٹر اسد فیض:

> ''قدیم سنسکرت کتابوں میں ملتان کا ذکر قدامت تک ہی محدود نہیں بلکہ مذہبی لحاظ سے بھی اس شہر کو بڑی عظمت بخشی گئی ہے۔ ہندو یہ کہتے ہیں کہ ملتان وشنو دیوتا کا تیرتھ ہے اور ملتان کے راجہ نے مہابھارت کی جنگ میں حصہ لیا تھا۔ اسلامی تاریخ میں البلازری کی کتاب 'فتوح البلدان' کے مطابق یہ مسلمانوں کا اوّلین گہوارہ علم تھا۔ ملتان وسط ایشیا اور ہند کے درمیان ایک ایسا مقام اتصال رہا جس سے تاریخ کے بہت سے قافلے گزرے۔ اس شہر میں علم و عرفان کی لاتعداد شمعیں روشن ہوئیں۔ حضرت بہاء الدین زکریا اور فخر الدین عراقی نے اپنے بصائر و حکم سے اس ریگزار کو شاداب کیا۔''(1)

ملتان اولیا کرام کا تو مسکن رہا اور اس حوالے سے اس کو آج بھی مدینۃ الاولیا بھی کہا جاتا ہے۔ شیخ بہاء الدین زکریا کی خانقاہ، ملتان کی علمی و تہذیبی، مذہبی اور دینی حوالے سے پہلی اقامتی درسگاہ کہی جاسکتی ہے۔ جس

کے فیض سے ملتان کی علمی و ادبی روایت مستحکم ہوئی اور عہدِ حاضر میں بھی ہمیں ایسی ایسی علمی ہستیاں ملتی ہیں کہ جن پر فخر کیا جاسکتا ہے۔

ان علمی اور ادبی ہستیوں میں ایک تو وہ ہیں جن کا مسکن مستقل ملتان ہی رہا، لیکن ایک وہ بھی ہیں جن کی شہرت ہندوستان اور پاکستان کے دوسرے شہروں میں ہوئی لیکن اُن کی پیدائش اور ابتدائی زندگی ملتان میں گزری۔ یعنی جن کا ملتان سے پیدائشی تعلق تھا۔ ایسا ہی ملتان کا ایک تخلیقی پودا ''راجیندر منچندا بانیؔ'' کے نام کا بھی تھا جس کی کونپلیں تو شہر ملتان میں پھوٹیں لیکن وہ پروان دہلی شہر میں چڑھا۔ وہ ملتان میں بقول گوپی چند نارنگ ''نومبر ۱۹۳۲ء میں پیدا ہوئے، جنھیں تقسیم کی موج بہا کر دہلی لے آئی۔''(۲) یوں دیکھا جائے تو بانیؔ اُس وقت تقریباً پندرہ سال کے تھے جب وہ ملتان سے دہلی ہجرت کر گئے۔ وہاں وہ چونتیس برس حیات رہے اور پھر محض انچاس برس کی عمر میں ''اکتوبر ۱۹۸۱ء کو وہیں انتقال کیا۔''(۳)

راجیندر منچندا بانیؔ نئی غزل کے ایک باکمال شاعر کی صورت دہلی کے تہذیبی مراکز میں معروف ہوئے جن کی شاعری کا ڈنکا پورے ہندوستان میں بجا اور اُن کی تخلیقی صلاحیتوں کا اعتراف ہر چھوٹے بڑے نے کیے۔ بانیؔ کا پہلا مجموعہ کلام ''حرفِ معتبر'' ۱۹۷۱ء میں منظرِ عام پر آیا اور دوسرا مجموعہ بہ عنوان ''حساب رنگ'' ۱۹۷۶ء میں شائع ہُوا جب کہ تیسرا مجموعہ ''شفق شجر'' اُن کے انتقال کے بعد ۱۹۸۳ء میں شائع ہُوا۔

راجیندر منچندا بانیؔ ایک انتہائی حسّاس شاعر تھے۔ اُن کی حسّاسیت اور سوچنے کے منفرد انداز نے اُنھیں جدید اُردو غزل کا ایک اہم شاعر بنا دیا۔ بلاشبہ اُنھوں نے اپنی بے پناہ تخلیقی صلاحیتوں کی بنا پر اُردو غزل کے دامن کو وسیع کیا۔ نئے انسانی تجربات اور نئے احساسات کے اظہار کے لیے نہ صرف غزل کو نئی زبان دی بلکہ ایک نیا آہنگ بھی بخشا۔ اپنے ہم عصروں میں بانیؔ اِسی لیے اپنی منفرد شناخت بنانے میں کامیاب رہے۔ جس شاعر کے پہلے مجموعے کی پہلی غزل کے ایسے تیور ہوں کہ:

زماں مکاں تھے مرے سامنے بکھرتے ہوئے
میں ڈھیر ہو گیا طولِ سفر سے ڈرتے ہوئے
بس ایک زخم تھا دل میں جگہ بناتا ہُوا
ہزار غم تھے مگر بھولتے بِسرتے ہوئے
عجب نظارا تھا بستی کا اس کنارے پر
سبھی بچھڑ گئے دریا سے پار اُترتے ہوئے
میں ایک حادثہ بن کر کھڑا تھا رستے میں

عجب زمانے مرے سَر سے تھے گزرتے ہوئے [۴]

اِس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ بانیؔ کی فکری سطح کس قدر بلند ہونے جارہی ہے اور اُن کی فنی اپروچ ابتدا سے ہی کس قدر پختہ ہے۔ شاید اِسی لیے عمیق حنفی اِسی مجموعے کی شاعری کے پیشِ نظر یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ "بانیؔ کو اِس صدی کی چھٹی دہائی کے بہترین اور اہم ترین غزل گویوں میں شمار کرنے سے مجھے کوئی مصلحت، کوئی تکلف اور کوئی خوف باز نہیں رکھ سکتا۔"[5]

اصل میں کرشن موھن کے لفظوں میں "بانیؔ کی شاعری ایک اچھوتی تخئیل کی تمثیل ہی نہیں بلکہ احساس و فکر کا ایک البیلا امتزاج بھی ہے۔ اُس کی غزلوں کی آنچ اور نظموں کی فکری فضا میں جو فنائی شعریت مضمر ہے وہ اُسے عہدِ حاضر کے اکثر اُلجھے اور ناتراشیدہ شعرا سے متمیز کرتی ہے۔"[۶] اور اِس میں کوئی شک نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ بانیؔ کی غزل، فکر اور اظہار ہر دو پہلوؤں سے اپنی ارتقائی منازل بہت تیزی سے طے کرتی ہے۔ دوسرے مجموعے "حسابِ رنگ" میں بانیؔ غزل کے ایک بہتر مقام پر دکھائی دیتے ہیں۔ یہاں فکری تموج بھی دیکھا جاسکتا ہے اور روح کا اضطرار بھی۔ اِس مجموعے میں سے ایک غزل کے یہ تین اشعار دیکھیے:

اے لمحو ، میں کیوں لمحۂ لرزاں ہوں بتاؤ
کس جاگتے باطن کا میں امکاں ہوں بتاؤ

کس لمس کی تحریر ہوں محرابِ ہوا پر
کس لفظ کا مفہومِ فراواں ہوں بتاؤ

میں صبح کے نظارۂ اوّل کی خُنک بُو
میں کس کا یہ سرمایۂ ارزاں ہوں بتاؤ [7]

بانیؔ اُن شعرا میں سے ہیں جو غزل کے موضوعاتی دائرے کو نہ صرف زیادہ سے زیادہ وسعت دینے کی کوشش کرتے ہیں بلکہ اِس کے لیے ایک مستحکم پیرائیہ اظہار کو بھی کمال خوبی سے اپناتے ہیں۔ گوپی چند نارنگ نے بانیؔ سے متعلق اپنے ایک معرکتہ آرا مضمون میں اِسی لیے یہ کہا ہے کہ:

"بانیؔ کے لہجے کی تازگی اور توانائی اور خود اعتمادی کے وفور نے، جس کا اظہاری رشتہ متکلم پر اصرار سے جڑا ہُوا تھا، بہت جلد سب کو متوجہ کر لیا تھا۔ وہ ایسے غزل گو کی حیثیت سے سامنے آئے تھے جسے

اپنے ذہن و شعور اور زبان و ذات پر پورا بھروسا تھا، ہجوم سے الگ رہ کر قدم بڑھانے کا حوصلہ ان میں شروع سے تھا۔ ان کی فکری جولانی اور جودت طبع بہت جلد انھیں تعقل کی ان کھلی فضاؤں میں لے آئی جہاں ذہن و احساس حیات و کائنات کے ازلی سروں کے زیروبم سے ہم آہنگ ہو جاتے ہیں۔"[8]

یہی وہ مقام ہوتا ہے جسے حاصل کرنے کے بعد ایک شاعر اپنے معاصرین میں نمایاں ہو سکتا ہے۔ بانیؔ ابتدا سے انتہا تک تعقل کی کھُلی فضاؤں میں رہے اور حیات و کائنات کے اِسرار سے پیہم نبرد آزما بھی۔ وہ ایک بے دار مغز اور باخبر ذہن کے مالک تھے۔ اِس خاصیت نے اُن کی شاعری کو بہت مدد دی۔ اِس بات کا اعتراف کرتے ہوئے عتیق اللہ نے اپنے ایک مضمون میں بانی کو یوں سراہا ہے کہ:

"میرا خیال ہے کہ بانیؔ کا ذہن اور اُن کا فن ریاضت اور باخبری کے حوالے سے ہی پہچانا جا سکتا ہے۔ اُن کے یہاں وہ سیّالیت بھی نہیں ہے جس سے تحفظات پناہ مانگتے ہیں لیکن وہ محتاط مگر خود شکن رویہ ضرور ہے جو تخلیقی فن کے لیے عینِ حیات سے کم نہیں ہوتا۔"[9]

بانیؔ کی ایسی ہی خصوصیات ہیں جو اُن کی شاعری کو معتبر بناتی ہیں۔ یہ اُردو غزل کی بدقسمتی ہے کہ اُن کی عمر طویل نہ ہو سکی اور وہ مختلف جسمانی بیماریوں کا شکار ہو کر جلد اِس دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔ اگر وہ اپنی بھرپور زندگی گزار سکتے تو اُن کی غزل اپنے معاصرین میں اُس مقام تک پہنچ سکتی تھی جہاں کسی اور کے پہنچنے کی امید بہت کم کی جا سکتی ہے۔ یہاں اِس بات کے ثبوت کے لیے پہلے بانیؔ کے چند اشعار کا انتخاب دیکھیے جو اُن کے مختلف مجموعوں میں سے لیا گیا ہے:

ایک ٹھوکر پہ سفر ختم ہُوا
ایک سودا تھا کہ سر سے نکلا [10]

نہیں رہے گا، یہ ہنگامہ کچھ قدم تک بھی
پھر اُس کے بعد، مرے ساتھ ہم سفر بھی کیا [11]

اک دُھند میں گم ہوتی ہوئی ساری کہانی
اک لفظ کے باطن سے اُلجھتی ہوئی تاویل [12]

یوں اکیلے کا سفر تھا بانیؔ

میں بھی خود اپنے برابر میں نہ تھا [13]

وہ ہنستے کھیلتے اِک لفظ کہہ گیا باقیؔ
مگر مرے لیے دفتر کھُلا معانی کا [14]

اِن اشعار کی بنیاد پر ہم نہ صرف باقیؔ کا فکری تنوع ملاحظہ کر سکتے ہیں بلکہ اُن کے اسلوب کی انفرادیت کا بھی اندازہ کر سکتے ہیں۔ اور اُن کے اسلوب میں سب سے اہم عنصر یہ ہے کہ وہ لفظیات سے اپنے اسلوب کو اِس طرح منفرد بناتے ہیں کہ اُن کی شعری معنویت میں تو نیا رنگ پیدا ہوتا ہی ہے، ساتھ ہی ساتھ معانی کی نئی جمالیات بھی ظہور کرتی نظر آتی ہے۔ مغنی تبسم نے درست ہی لکھا ہے کہ:

> ''باقیؔ کے اسلوب کی اپنی ایک شناخت ہے۔ لفظیات جو اُنھوں نے اپنے اظہار کے لیے منتخب کی وہ اگرچہ دوسرے جدید شعرا کے کلام میں بھی مل جاتی ہے لیکن اُنھوں نے اس لفظیات کو نئی معنوی جہات دیں اور اس سلیقے کے ساتھ برتا کہ اُن کا اندازِ گفتار اور شاعروں سے نمایاں طور پر مختلف نظر آتا ہے۔'' [15]

باقیؔ کی شاعری میں ہمیں یہ یاد رکھنے کی ضرورت ہے کہ اُن کے ہاں کسی ایک موضوع کو فوقیت نہیں ہے۔ وہ زندگی کے رنگارنگ موضوعات سے خود کو وابستہ کرتے ہیں، اُن میں ڈوبتے اور احساسات کی لہروں میں بہتے دُور تک نکل جاتے ہیں۔ وہ زندگی کے تمام رُخوں سے آگاہ بھی ہیں اور اپنے اظہار میں بھی اِس آگہی کو برتتے ہیں۔ وہ انسان کو سیاست، سماج اور کائنات میں بہ یک وقت رکھ کر دیکھنے کے اہل ہیں۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ وہ ہر موضوع کے شاعر ہیں کسی ایک موضوع کے نہیں۔ یا پھر ڈاکٹر سرور الہدیٰ کے لفظوں میں:

> ''باقیؔ اُن چند شاعروں میں ہیں جن کی غزل کا مطالعہ موضوعاتی نقطۂ نظر سے کرنا بہت مشکل ہے۔ قاری کی فکر و خیال کی دنیا ڈوبتی اُبھرتی نظر آتی ہے۔ مشکل ہی سے کسی فکر کو خاص خانے میں رکھا جا سکتا ہے۔'' [16]

اصل میں باقیؔ کسی صورت مجرد خیالات یا سادہ قسم کے اکہرے تجربات کے شاعر نہیں ہیں۔ وہ اپنی شاعری کے لیے پیچیدہ اور مبہم کیفیات کو بنیاد بناتے ہیں۔ پھر منفرد علامتوں اور پیکروں کے امتزاج سے اِن کیفیات اور تجربات کو اپنی گرفت میں لیتے ہیں اور بقول مغنی تبسم ''شعر میں کوئی ایسا ایما یا اشارہ رکھ دیتے ہیں جو قاری کے تخیل کے دروازے کھولتا اور اُس کے حواس کو بے دار کرتا ہے۔'' [۱۷] یوں زندگی کی نئی بصیرت سے بہرہ مند ہونے کا موقع ملتا ہے۔ مثلاً یہ اشعار دیکھیے:

سب چلے دُور کے پانیوں کی طرف

کیا نظارہ کھلے بادبانوں کا ہے [18]

ہمیں لپکتی ہَوا پر سوار لائی تھی
کوئی تو موج تھی، دریا کے پار لائی تھی [19]

بانیؔ نے ''حرفِ معتبر'' اور ''حسابِ رنگ'' سے ''شفق شجر'' تک آتے آتے زندگی کے تجربات کی منازل کے ساتھ ساتھ فن کی منازل بھی خوبی سے طے کیں۔ ''شفق شجر'' میں بانیؔ کا ایک کمال یا تجربہ اِس صورت بھی نظر آتا ہے کہ اِس میں اُنھوں نے ایک ردیف ''میں ہے'' کے تحت پانچ غزلیں لکھیں جن کے اشعار کی مجموعی تعداد پینتیس اشعار کے لگ بھگ ہے۔ اِن غزلوں سے ہم اندازہ لگا سکتے ہیں کہ بانیؔ نے کس قدر انوکھے اور نئے تخلیقی موڑ بدلے ہیں۔ مثلاً اِن غزلوں میں سے یہ تین مطلعے دیکھیے:

ہری سنہری، خاک اُڑانے والا میں
شفق شجر تصویر بنانے والا میں [20]

چلی ڈگر پر کبھی نہ چلنے والا میں
نئے انوکھے موڑ بدلنے والا میں [21]

موڑ تھا کیسا تجھے تھا کھونے والا میں
رو ہی پڑا ہوں کبھی نہ رونے والا میں [22]

بانیؔ کے شعری سفر کو نظر میں رکھیں تو صاف پتہ چلتا ہے کہ وہ اِس سفر کے دوران تبدیلیوں کے کن کن مراحل سے گزرے ہیں۔ شمس الرحمٰن فاروقی جو شاعری کی تنقید میں کسی تعارف کے محتاج نہیں، بانی کی شاعری پر باریک بینی سے نظر ڈالتے ہوئے جہاں اور بہت سے انکشافات کرتے ہیں وہیں بانیؔ کی پہلے اور آخری دَور کی شاعری میں فرق کو کمال خوبی سے محسوس بھی کر لیتے ہیں۔ اُنھوں نے آخری عہد کی شاعری میں مابعد الطبیعاتی تجربات کے بیان کا سراغ لگایا ہے جسے مسترد کرنا ممکن نہیں۔ شمس الرحمٰن فاروقی اِس ذیل میں انتہائی تجزیاتی انداز میں لکھتے ہیں کہ:

> ''پرانی غزلوں میں شاعر کی شخصیت کے تمام رُخ متعین تھے، آخری غزلوں میں سرحدیں دھُندلی نظر آتی ہیں، محسوس ہوتا ہے کہ طبیعی تجربات کو پیچھے چھوڑ کر اب شاعر مابعد الطبیعاتی تجربات سے گزر رہا ہے۔''[23]

غرض یہ کہ باقیؔ نے اپنی مختصر سی حیات میں اُردو غزل کا ایک ایسا سرمایہ چھوڑا جس نے اپنے عہد کی روح کو بیان کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ علاوہ ازیں باقیؔ نے ایک ایسے عہد میں جب شاعری اور جمالیاتی اظہار کے تمام گوشے تخلیق کی صلاحیتوں سے عاری ہوتے جارہے تھے، اپنے اشعار سے اظہار اور تخلیق کے نئے امکانات کے در وا کیے۔ اُردو غزل میں اُن کی اِس دَین کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

حوالہ جات

1۔ اسد فیض:''دیدبان(ملتان،ہم عصر پبلی کیشنز،۱۹۹۹ء)ص:۹۵

2۔ نارنگ، گوپی چند:''ترقی پسندی، جدیدیت،مابعد جدیدیت'(لاہور،سنگ میل پبلی کیشنز،۲۰۰۶ء)ص:۲۳۱

3۔ ایضاً،ص:۲۳۱

4۔ بانیؔ،راجیندر منچندا:''حرفِ معتبر (نئی دہلی،راجیندر نگر،۱۹۷۱ء،)ص:۲۱ تا ۲۲

5۔ عمیق حنفی:''نئی غزل کا معتبر نام''، مشمولہ ایضاً،ص:۱۰

6۔ کرشن موھن:''اقتباس''، مشمولہ ایضاً، ص:۱۱

7۔ بانیؔ،راجیندر منچندا:''حسابِ رنگ(نئی دہلی، نیشنل اکیڈمی،۱۹۷۶ء،)ص:۲۶ تا ۲۷

8۔ نارنگ، گوپی چند:''ترقی پسندی، جدیدیت،مابعد جدیدیت''،ص:۲۳۲

9۔ عتیق اللہ:''پیہم موجِ امکانی میں''، مشمولہ ''حسابِ رنگ(نئی دہلی، نیشنل اکیڈمی،۱۹۷۶ء)ص:۷

10۔ ''حرفِ معتبر''،ص:۳۴

11۔ ایضاً،ص:۶۹

12۔ ''حسابِ رنگ''،ص:۴۳

13۔ ایضاً،ص:۴۸

14۔ بانیؔ،راجیندر منچندا:''شفق شجر(نئی دہلی، شعرستان،۱۹۸۲ء،)ص:۶۳

15۔ مغنی تبسم:''بانیؔ: جدید اُردو غزل کی ایک منفرد آواز''، مشمولہ ''معاصر اُردو غزل''، مرتب: پروفیسر قمر رئیس، (دہلی،اُردو اکادمی،۱۹۹۴ء،)ص:۲۷۹

16۔ سرور الہدیٰ،ڈاکٹر:''نئی اُردو غزل''،لاہور، بیکن بکس،۲۰۱۵ء،ص:۲۹۲

17۔ مغنی تبسم:''بانیؔ:جدید اُردو غزل کی ایک منفرد آواز''، مشمولہ ''معاصر اُردو غزل''،ص:۲۸۲

18۔ ایضاً،ص:۲۸۲

19۔ ایضاً،ص:۲۸۲

20۔ ''شفق شجر''،ص:۵۳

21۔ ایضاً،ص:۵۵

22۔ ایضاً،ص:۶۱

23۔ فاروقی، شمس الرحمن:''نئے انوکھے موڑ بدلنے والا میں''،مشمولہ ''شفق شجر''،ص:۴۹ تا ۵۰